

بسمہ تعالیٰ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی



دین اور مذہب کی کشمکش

(تاریخ انسانیت کا اہم ترین باب)

پرویز

باسمہ تعالیٰ

دین اور مذہب کی کش مکش

طلوع اسلام کی سالانہ کنونشنوں میں، پرویز صاحب کے خطابات، تحریک فکر قرآنی کے سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گزشتہ دو سالوں (۱۹۶۸ء تا ۱۹۶۹ء) میں ملک حالات میں عدم سکون کی وجہ سے کنونشنیں منعقد نہ ہو سکیں تو پرویز صاحب کے خطابات کی کمی خاص طور پر محسوس کی گئی۔ اس کمی کے پورا کرنے کے لئے احباب نے اتفاقاً کیا کہ سابقہ کنونشنوں کے بعض خطابات دوبارہ شائع کر دیئے جائیں تاکہ قرآنی فکر کا جذبہ بدستور بیدار رہے۔ اس تجویز کی اہمیت کے پیش نظر ان کے بعض خطابات ہدیہ قارئین کئے گئے جن سے فضا خاصی متاثر ہوئی۔ اس سے دو ایک اہم نکات بھی سامنے آئے۔ ایک تو یہ کہ ان خطابات و مقالات کی حیثیت، اخباری خبروں کی سی نہیں جن کی زندگی ایک دن کی ہوتی ہے۔ یہ جن موضوعات سے متعلق ہوتے ہیں ان کی اہمیت مستقل حیثیت رکھتی ہے اس لئے یہ کبھی پرانے نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ طلوع اسلام کا حلقہ قارئین دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے اس لئے ان "نفاذ دان بساط ہوائے دل" کے لئے یہ خطابات تازہ بہ تازہ اور توجہ فرمائے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی ان کی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہو جاتی۔

اس سال ارادہ تھا کہ اپریل (۱۹۶۹ء) میں کنونشن منعقد کر لی جائے لیکن فضا میں اب بھی وہ سکون نہیں جو ان کنونشنوں کے انعقاد کی شرط اولیں ہے۔ تحریک طلوع اسلام کوئی سیاسی تحریک نہیں جسے ہنگامہ خیز فضا زیادہ تر اس آتی ہے۔ یہ خالصتہً فکری تحریک ہے جس کے لئے قلبی اطمینان اور ذہنی سکون لاینفک ہے۔ بنا بریں، فی الحال اس کنونشن کا انعقاد ممکن نہیں۔ پرویز صاحب کے خطاب کی کمی پورا کرنے کے لئے ہم (حسب سابق) ان کا ایک سابقہ خطاب (بادلی تغیر) شامل اشاعت حاضر کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ خطاب ۱۹۶۳ء کی کنونشن میں، "قیامت موجودہ کے عنوان سے پیش کیا تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ سولہ سال پہلے کی کبھی گئی باتیں آج بھی کس طرح تروتازہ ہیں۔ تروتازہ ہی نہیں، بلکہ (غالبت کے الفاظ میں) مٹے کہن کی طرح یہ اور بھی گراں بہا ہو گئی ہیں۔ جو حقائق بھی قرآن کریم پر مبنی ہوں گے، مروجہ زمانہ سے ان کے حسن سنی میں اور جلا پیدا ہوتی جائے گی۔ اب وہ خطاب ملاحظہ فرمائیے۔

خطاب

بادہ کشانِ نحمدہ قرآن کے نام

ساقی! قدمے کہ دورِ گلزارِ گذشتہ مطرب! غزلے کہ وقتِ گفتارِ گذشتہ
لے ہم نفس! از بہرِ دلِ زارِ بگو افسانہ آں شبے کہ با پارِ گذشتہ

یارانِ مسکدہ! سلام و رحمت۔

یہ ساعت کس قدر سعید، اور یہ لمحہ زندگی کیسا درخشاں و نورانی ہے کہ آپ احباب! ایک سال کی طویل مدت کے بعد اپنے ولولہ شوق کو دلوں میں لے، پھر یکجا جمع ہوئے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے کشاکشِ نغمہ گار سے الگ ہو کر بیٹھیں اور سوچیں کہ خدائے لم یزل کی وہ شمعِ جہاں تاب، جسے صدیوں سے پیرانِ حرم کی مقدس آستینوں نے چراغِ نہ داماں بنا رکھا ہے، کس طرح پھر سے وجہِ نورانیتِ عالم بنے۔ کس قدر حسین ہیں یہ آرزوئیں، جو آپ کو اتنے دور دراز سفر کے بعد کشاکشِ کشاں یہاں لے آئی ہیں اور کیسا عظیم ہے وہ مقصد جس کے لئے آپ نے یہ صعوبات برداشت کی ہیں۔ میں، جب آپ احباب کے اس جذب و کیف میں ڈوبے ہوئے اجتماعِ سادہ و رنگین پر نظر ڈالتا ہوں تو میری نگاہ شوق بے تابانہ بکاں اٹھتی ہے کہ یہ

نور ہی نور ہیں دروہو یارا! کون سا چاند گھر میں اُتر رہا ہے!

برادرانِ عزیز! یہ جو ہم نے وقت کے کارواں سے فرصت کے چند لمحات چھین لئے ہیں، تو اُدُن میں نہ

رسمِ مہر و وفا کی بات کریں پھر کسی دلِ رُبا کی بات کریں

سخت بیگانہ حیات ہے دل آؤ۔ اس آشنائی کی بات کریں

گیسوؤں کے فسانے دھرائیں اپنے بختِ رسا کی بات کریں

کس قدر قابلِ صدرِ شک ہیں زندگی کے وہ لمحات جو رسمِ مہر و وفا کی باتوں میں گزریں۔

عزیزانِ می! علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ یہ

ستیزہ کار رہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویؐ سے سحرِ ابولہبی

سوال یہ ہے کہ چراغِ مصطفویؐ کیا ہے جس کے ساتھ ازل سے تا امروز سحرِ ابولہبی ستیزہ کار چلا آ رہا ہے۔ یہ کونسی کش کش ہے جس کا سلسلہ دراز، نوری انسان کی پوری تاریخ کو محیط

ازلی کش کش

ہے۔ اس تماشہ گاہ میں ہزاروں قدیں آئیں اور چلی گئیں۔ سسکڑوں نظام اٹھ رہے اور بیٹھ گئے متعدد تہذیبوں کے چراغ جلے اور بجھ گئے۔ لیکن وہ کون سے ایسے حریفانِ ادنیٰ ہیں جن کی باہمی آویزش پر ان تمام تغیرات کا کوئی اثر نہ ہوا، اور ان کی ستیزہ کاری کا سلسلہ، ہر دور اور ہر مقام میں بدستور جاری رہا۔ اور اب تک جاری ہے۔ آپ انسانی تاریخ پر جس قدر بھی غور کریں گے ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں گے، کہ وہ کش مکش پیچیدہ۔ وہ ستیزہ مسلسل۔ وہ آویزش متواتر۔

دین اور مذہب کی جنگ

ہے جس دن سے شعور انسانی نے آنکھ کھولی، اس جنگ کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ملوکیت۔ سرمایہ پرستی وغیرہ بھی انسانیت کے کم دشمن نہیں، لیکن اگر آپ ذرا بہ نظر تعمق دیکھیں گے تو یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ یہ، اور اسی قسم کے دیگر مستبدانہ تصورات اور نظام، مذہب ہی کے سہارے قائم رہے ہیں اور جب دین نے مذہب کو مٹایا تو پھر اس کے ساتھ یہ خود بخود مٹ گئے۔ اس لئے اصل کش مکش دین اور مذہب ہی کی ہے۔

مذہب کی چیرہ دستیاباں

مذہب کا قصور مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ دوسرے انسانوں کی کمائی پر عیش کی زندگی بسر کریں اور یہ کچھ اس انداز سے کریں کہ یہ انہیں لوٹیں اور وہ انہیں دھاتیں دیں۔ یہ انہیں دھتکاریں اور وہ ان کے پاؤں پڑیں۔ یہ انہیں بلا جرم و قصور گالیاں دیں اور وہ غیر ملکہ کر معافیاں مانگیں۔ یہ بھری محفل میں انہیں، بلے عزت کریں لیکن وہ اپنے کمرے کی تنہائیوں میں، اپنے دل کے اندر بھی ان کی شان میں گستاخی کا خیال تک نہ لاسکیں۔ یہ ان سے ہر قسم کی خدمت اور بیگار لینا اپنا حق سمجھیں اور وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل، اپنی زندگی کا مقدس ترین فریضہ قرار دیں۔ ان کے ادنیٰ سے اشارے پر اپنے سینے میں خنجر گھونپ لیں۔ اپنے بچوں کے گلے پر چھری پھیر دیں۔ آگ میں کود پڑیں۔ پہاڑ کی چوٹی سے سر کے بل نیچے آگریں۔ تختہ دار پر پستی خرمی چڑھ جائیں۔ ان کی برحقوں کے آہنی پہیوں کے نیچے آکر کچلے جائیں۔ یہ اپنے جس حریف کے خلاف چاہیں، انہیں کھڑا کر دیں، اور وہ اتنا جانے اور پوچھے بغیر کہ ہمیں ان کے خلاف کیوں لڑایا جا رہا ہے، ان کی جانیں لیتے اور اپنی جانیں دیتے جائیں۔ وہ خود مجھ کے رہیں اور ان کے خادموں کو نعمتیں کھلا دیں۔ اپنے بچوں کو فاقے سے رکھیں اور ان کے کتوں کو دودھ پلا دیں۔ خود سنگے لادیں اور ان کے پتھروں کو حریر و اطلس کے لباس سے پہنائیں۔ آپ خس و خاشاک کی جھوٹیوں میں زندگی کے دن کاٹیں اور ان کی پڑیوں کی راکھ پر سنگ مرمر کی فلک بوس عمارت استوار کریں۔ زندگی میں تو ایک طرف، ان کی موت کے بعد بھی ان کے دل پر ان کا خوف اس طرح طاری رہے کہ وہ ان کے تصور سے ڈرتے، کانپتے، لرزتے، سہمے رہیں۔ غرضیکہ یہ ہر وقت ان بے چاروں کے اعصاب پر چھلاوے کی طرح سوار اور ان کے ذہن پر بھوت بن کر چھائے رہیں اور وہ ان کے پنجہ کی آہنی گرفت سے کبھی نکلنے نہ پائیں۔

یہ ہیں اس مذہب کے چند گوشے جسے مفاد پرست انسانوں کی عقل فریب کار نے تراشا اور جسے مکرور اور ناتواانوں کا خون چوسنے کے لئے ایک مؤثر ترین حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ لوگیتا اور سرمایہ داری کا استبداد بھی کچھ کم استخوان شکن اور خون آشام واقع نہیں ہوا۔ لیکن انہیں اپنے غلبہ و تسلط کی زنجیریں مستحکم رکھنے کے لئے سینکڑوں قسم کی قوتیں فراہم اور ہزارہ قسم کے حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی انہیں ہر وقت دھڑکا نگار مٹا ہے کہ کب شکار ان کے ہمال سے نکل جائے۔ لیکن مذہبی وسیعہ کار یوں کا تو یہ عالم ہے کہ اس میں ——— صید خود صیاد را گو بد بگر ——— اس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرے تو یہ غلام آگے بڑھ کر اس کا گلا گھونٹ دیں۔ اور اگر کسی وقت کوئی نہ بخیر اتفاقاً ٹوٹ جائے تو یہ اس کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو اپنی مرگاہان ارادت سے اٹھا کر چوبی اور بصد عقیدت اپنے گلے میں ڈال لیں۔

مذہب کی گرفت

مذہب نے اپنی تمام مہرہ بازیوں اور سحر انگیزیوں کے لئے صرف ایک بنیادی حربہ استعمال کیا اور وہ یہ کہ اس نے جو کچھ لپا ادا سے "خدا" کی طرف منسوب کر دیا۔ اس کی ساری گرفت کاراز اسی میں ہے۔ اس کے لئے، اس نے پیش ہدف ہی یہ کہ لوگوں کو سوچنے سمجھنے سے دُور رکھا جائے اور عقل و فکر کے قریب نہ آنے دیا جائے۔ کوئی جتنی زیادہ جہالت آمیز باتیں کرے اسے اتنا ہی زیادہ خدا کا مقرب سمجھا جائے۔ جو جس قدر زیادہ بعید از علم و عقل اور پر یقین ظاہر کرے، اسے اتنا ہی زیادہ پختہ ایمان والا قرار دیا جائے۔ ارباب مذہب کی ٹیکنیک ہی یہ ہوتی ہے کہ اپنے معتقدین کو جہالت کے گڑھے سے باہر نہ نکالے دیا جائے۔ تو ہم پرستیوں پر ایمان کا مدار، اور عجوبہ پسندیوں کو صداقت کا شعار قرار دیا جائے۔ ان کی طرف سے پیش کردہ عقائد پر ایمان لایا جائے تو بلا علم و دلیل، اور ان کے احکام کی تعمیل کی جائے تو یہ پوچھے بغیر کہ اس سے بالآخر مقصد کیا ہے۔ مذہب کی طرف سے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کے حق میں اس کے پاس ایک ہی دلیل اور ایک ہی سند ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ایسا کچھ پیچھے سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہمارے اسلاف کا یہی مسلک تھا۔ اگر کوئی شخص مذہب کے پیش کردہ کسی عقیدے یا مسلک پر اعتراض کرے تو عوام کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا جائے کہ یہ شخص تمہارے اسلاف کی توہین کرتا ہے۔ اور عوام کے جذبات کو بھڑکا کر جس قدر فتنہ و فساد برپا کیا جاسکتا ہے، مذہب کی تاریخ خود خچاں کا ایک ایک ورق اس پر نشا بد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر خوں ریزیاں اور فساد انگیزیاں مذہب کے مقدس نام پر ہوئی ہیں، ہلاکت اور چنگیز کے حصے میں ان کا عشر عشر بھی نہیں آیا ہوگا۔ یہی وہ حربہ ہے جس سے ارباب مذہب اپنے مخالفین کو اس طرح ڈرا دھمکا کر رکھتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف ایک لفظ تک کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ مذہب کا سارا مدار عوام کے جذبات پر ہے۔ اس

کے لئے وہ اس قسم کے مواقع پیدا، ایسی تقریبات وضع کرتے رہتے ہیں جن سے عوام کے جذبات میں شدت آتی رہے، اور ان کی یہ آگ بجھنے نہ پائے۔

یہ ہے اس مذہب کا اجمالی سا تعارف، جو پہلے دن سے آج تک انسانیت کی گردن میں پھانسی کا پھندا بن کر پڑا ہے۔ اور جس نے نوع انسان کی نفس نفس کو اس طرح اپنی گرفت میں لے رکھا ہے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف، ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتی۔

اور یہی ہے اس کی وہ آہنی گرفت جس سے نوع انسان کو چھڑانے کے لئے، خدا کی طرف سے

دین آتا رہا۔ اس دین خداوندی کے پیامبر، حضرات انبیاء کرامؑ تھے جو مذہب کی

زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتے تھے۔ وہ انسانوں

کو اس جنگل سے آزاد ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ اور ارباب مذہب اپنی پوری قوتوں کو مجتمع کر کے ان

کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس محاذ پر ارباب اقتدار، ان کے پشت پناہ اور سرمایہ دار طبقہ ان کا

حمایتی ہوتا تھا۔ اس لئے کہ خدا کا دین، ان کے حق میں بھی تو موت کا پیغام تھا۔ وہ دین کو مغلوب اور مذہب

کو غالب رکھنے کی انتہائی کوشش کرتے تھے، کیونکہ مذہب کے غلبہ میں خود ان کی ہستی کا راز مضر تھا۔

دین اور مذہب کی یہی وہ کش مکش ہے جو پہلے دن سے آج تک دنیا کے ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانے

میں مسلسل اور پیہم چلی آ رہی ہے، اور اسی کو علامہ اقبالؒ، چراغ مصطفوی سے شرابِ لبہی کی ستیوکاری

سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسے انسانیت کے لئے بدترین لعنت اور خدا کا عذاب قرار دیتے ہیں۔ وہ

جادوہ نامہ میں لکھتے ہیں:۔

چار مرگ اندر پیئے ہیں دیر میر سود خوار و دال و ملا و پیر

یعنی مذہب کا شجرۃ الزقوم اور اس کی پروردہ شاخیں۔ ملکیت اور سرمایہ داری۔

ہمارے زمانے میں سرمایہ داری کے خلاف جذبات شدت سے ابھر رہے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کی نگاہ

اس طرف اٹھتی ہے کہ سب سے زیادہ شدید سرمایہ دار طبقہ تو مذہبی پیشوا شیت کا ہے۔ سرمایہ دار کا یہی جرم

ہے کہ وہ خود محنت نہیں کرتا اور دوسروں کی محنت کی کماٹی پر عیش کرتا ہے۔ لیکن اسے اس کے لئے

کچھ سرمایہ لگانا (INVEST) کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس مذہبی پیشوا شیت ہے کہ ایک

پیہ (INVEST) کے بغیر دوسروں کی محنت کی کماٹی پر عیش کی زندگی بسر کرتا ہے۔ کہیئے! اس

قسم کی سرمایہ داری کی مثال کہیں اور بھی ملتی ہے؟

قرآن کریم، دین اور مذہب کی اس کش مکش کے متنوع

گوشتوں کو بار بار سامنے لا کر اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا

ہے۔ وہ اس کش مکش کی ابتدا حضرت نوحؑ کی اس انقلابی دعوت سے کرتا ہے جس کی رو سے انہوں

نے، مذہب کی غیر خدائی قوتوں کی محکومیت میں جکڑی ہوئی قوم سے کہا کہ: یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ (۲۳)۔ اے میری قوم کے لوگو! تم، مذہب کے ان اجارہ داروں کی اٹا

دین اور مذہب کی کش مکش

افذر محکومیت کی زنجیروں کو توڑ دو۔ اور صرف ایک خدا کے قوانین کی اطاعت کرو۔ یاد رکھو! اس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اختیار کی جائے۔ اس آزادی کی آواز کے خلاف، ارباب مذہب اور ان کے پشت پناہ اہل اقتدار — یعنی مترقین — طبقہ کے لوگ جو دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے تھے، پورے کر کے آگے بڑھے۔ انہوں نے عوام کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا کہ: مَا سَمِعْنَا بِطَنَافِي آبَائِنَا إِلَّا قَالُوا لَيْتَ (۲۲) جو کچھ یہ شخص کہتا ہے وہ تمہارے اباؤ اجداد کے مسلک کے خلاف ہے۔ یہ تمہیں تمہارے بزرگوں کی روش سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ اِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ يَهْجُو جَنَّةَ (۲۳) یہ پاگل ہے اس کی کوئی بات نہ سنو۔

اس کے بعد قرآن کریم نے سلسلہ انبیاء کرام کی ایک ایک کڑی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی دعوت بھی تھی کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گزار بنائے۔ اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کی جاسکتی ہے جنہیں وہ (بذریعہ وحی) اپنی کتاب میں دیتا ہے۔ وہ یہ دعوت دیتے رہے اور ان کے خلاف، ہر زمانے میں، اور ہر مصلحت پر مذہبی پیشوائیت اور ارباب ثروت و اقتدار متحدہ محاذ بنا کر کھڑے ہوتے رہے۔ ان کے پاس عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے ایک ہی سلوگن تھا اور وہ یہ کہ: مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُسَوِّدُ اَنْ يَصْطَلِحَ عَمَّا كَانَتْ يَعْبُدُ اَبَاؤُكُمْ (۲۴) یہ شخص چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے اسلاف کے مذہب سے برگشتہ کر دے۔ اس لئے اٹھو۔ اسے پکڑو۔ حَقِّقُوا وَاَنْصُرُوا اٰلِهَتَكُمْ (۲۵) اسے زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے خداؤں کا بول بالا کرو۔

حضرت عیسیٰ علی انقلابی آواز | اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں مذہبی پیشوائیت کا اقتدار انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ بنی اسرائیل کے اجارہ دار یہاں نے ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی تھی جس میں انہیں ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ صرف سزائے موت کے لئے انہیں رومی حکام کی منظوری لینا پڑتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علی دعوت، مظلوم اور مقہور انسانیت کو ان کے اس پنچہ استبداد سے چھڑانے کے لئے تھی۔ یہ ظلم کا ہیکل، ان مذہبی پیشواؤں کا مرکز تھا۔ داعی انقلاب آسمانی، حضرت عیسیٰ علی اسی ہیکل کی میڑھیوں پر کھڑے ہو جاتے اور انہیں لٹکار کر کہتے کہ وہ

اے دیا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو۔ کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ ہی داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔

اے دیا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے حقیقی اور تری کا دودھ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا ایندھن بنا دیتے ہو۔

اے ریاکار فقیہ اور فریبیہو! تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی بھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر قسم کی نجاست سے بھری ہوتی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستہ اند دکھاتی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔

اے سانپو! اے افغانی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔

(انجیل متی - باب ۲۳)

ظاہر ہے کہ مذہبی اجارہ دار، جو اپنی خدائی مسندیں بچھا کر، عوام کو لوٹتے اور ان پر حکومت کرتے تھے، اس انقلابی دعوت کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟ وہ اسے، اپنی مفاد پرستیوں کے لئے کس طرح موت کا پیغام سمجھتے تھے، اس کا اندازہ ان کی اس چیخ اور پکار سے لگ سکتا ہے جسے انجیل برنباس میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ:-

مخالفت کیوں؟ تب ان لوگوں نے کاہنوں کے سردار کے سامنے مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے..... اس جیسے آدمی کی حکومت کے ماتحت ہمارا کیا انجام ہوگا۔ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ہم اپنی خدمت سے نکال دیئے جائیں گے تو ہم مجبور ہوں گے کہ اپنی رولٹی عطیہ کے طور پر مانگیں۔ حالانکہ اس وقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور حاکم دونوں ہماری شریعت سے اجنبی ہیں اور ہماری شریعت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے، جیسے ہم ان کی شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اس سبب سے ہم قدرت رکھتے ہیں کہ ہم جو چاہیں کریں۔ اگر ہم نے غلطی کی تو ہمارا اللہ رحیم ہے اور قربانی اور روزے کے سامنے اس کا راضی کر لینا ممکن ہے۔ لیکن اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہرگز راضی نہ کیا جاسکے گا۔ جب تک خدا کی عبادت (اطاعت) ویسے ہی ہوتے نہ دیکھے جیسی موسیٰ نے نہ کی ہے۔

(انجیل برنباس - ص ۱۱۱)

آپ نے غور فرمایا کہ اس آسمانی دعوت کی اس قدر شدید مخالفت کی وجہ کیا تھی؟ بس وہی ایک وجہ! یعنی اگر خدا کا قانون رائج ہو گیا تو ہم اپنی ان مسندوں سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ اور چونکہ ہمیں کوئی کام کاج آتا نہیں جس سے ہم اپنی رولٹی کما سکیں، اس لئے ہمیں اپنی رولٹی عطیہ کے طور پر مانگنی پڑے گی۔ آپ نے دیکھا کہ جسے مذہبی معاملہ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے وہ درحقیقت یکسر معاشی مسئلہ ہوتا ہے۔

انجیل برنباس کے اس بیان سے آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ مذہبی پیشوا شیت ہمیشہ اس انداز حکومت کو پسند کرتی ہے جسے آجکل کی اصطلاح میں سیکولر کہتے ہیں۔ یعنی امور مملکت، حکومت کے پاس رہیں اور امور شریعت مذہبی پیشوا شیت کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ نہ مذہبی پیشوا شیت، حکومت کے معاملات میں دخل دے اور نہ ہی حکومت ان کے حیطہ اقتدار میں دخل دے۔

نبی اکرم کی دعوت

آئیں میں اس عظیم و جلیل داعی انقلاب کو دیکھئے جس پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ ہو گیا (صلی اللہ علیہ وسلم) حضورؐ کے ظہورِ قدس کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (پہلے) وہ لوگ انسان کو ان زنجیروں سے آزاد کر دے گا جن میں وہ جکڑے چلی آرہی ہے اور ان کے سر سے وہ بوجھ اتار دے گا جس کے نیچے وہ بُری طرح دبی اور کھلی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حضورؐ نے بھی وہی دعوت پیش کی جو حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک مسلسل و متواتر پیش ہوتی چلی آرہی تھی اور مترقین کے طبقہ کی طرف سے اس کا جواب بھی وہی ملا جو شروع سے ملا چلا آرہا تھا۔ یعنی مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْإِسْلَامِ إِلَّا إِبْطَالًا (پہلے) یہ غلطی، جھوٹ اور بنائی ہوئی بات ہے۔ یعنی اس کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی۔ اس کے بعد اس طبقہ کی طرف سے جو کچھ نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے رفقاء کے ساتھ ہوا، اس پر قرآن شہد اور تاریخ کے ادراک گواہ ہیں۔

نبی کے بعد کیا ہوتا تھا

اس مقام پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جب حضرات انبیاء و کرامؑ خدا کا سچا دین انسانوں کو دے جاتے تھے تو اس کے بعد اس دین کے ساتھ کیا بیعتی تھی کہ بعد میں آنے والے نبی کے وقت، سابقہ نبی کے پیش کردہ دین کی آواز کہیں سے بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس (پہلے) نبی کی اولیں مخاطب (بالعموم) وہی قوم ہوتی تھی جو اپنے آپ کو سابقہ نبی کی متبع کہتی تھی۔ پھر یہ کیا تھا کہ آنے والا نبی اس قوم کے مسک کو باطل قرار دیتا تھا اور یہ قوم، اس نبی کی دعوت کی اس قدر شدید مخالفت کرتی تھی۔

ہو نہ یا یہ تھا کہ جب ایک نبی دی خداوندی دے کر چلا جاتا تو اس کے بعد، اسی قوم میں ایسے مفاد پرست لوگ پیدا ہو جاتے جو اس دین کو اپنے خیالات کی آمیزش سے، مذہب میں تبدیل کر دیتے، لیکن لوگوں سے کہتی یہ نہ کہتے کہ یہ ہمارے خیالات ہیں۔ وہ اس مذہب کو خدا کی سچی تعلیم کہہ کر پیش کرتے۔ یَكْتُمُونَ إِلَيْكَ تَابَ يَا سَيِّدِ بِهِمْ شَمًّا يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔ وہ خود شریعت وضع کرتے اور کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ ایسا کیوں کرتے؟ لِيُشْكِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ قَلِيلًا (پہلے) تاکہ اس سے کچھ پیسے کالئے جائیں۔ چنانچہ اس طرح خدا کا دین مذہب میں تبدیل ہو جاتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب دین، اس طرح مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے، تو یہ نہیں جانتا کہ اس میں کچھ جزوی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں یا مذہب، دین کی لہست سطح کا نام ہو۔ یہ دونوں بالکل ایک دوسرے کے ضد بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے متقابل کھڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے مذہب اور دین کا تقابلی مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ۔

مذہب اور دین کا تقابل

دین اجتماعی نظام زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔

دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بتا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔

دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔

دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بناتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔

دین، انسان کی علمی اور عقل صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب۔

دین عقل کے دیبے میں روشنی ڈالتا ہے کہ زندگی کے راستے جگمگائیں۔

دین اپنے ہر دعویٰ کو دلیل اور برہان کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

دین، انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کا سفر لاتا ہے۔ **يُخْرِجُكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (۲۴۰)**

دین کا پیغام یہ ہوتا ہے کہ اسے

تراش از تیشہ خود جادۂ خویش

براہ دیگران رفتن حرام است

دین، انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان

کے سطحی جذبات کی سطح بلند کرتا ہے۔

دین تیشہ براہمی سے ہر قدیم اور جدیدیت

کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔

دین کا پیغام یہ ہے کہ: حج

زمانہ با تو سازد تو بازمانہ ستیز

دین، خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے

مذہب، خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔

مذہب میں ہر فرد اپنے اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔

مذہب میں ہر فرد کا منتہی اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔

مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جاسکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں؟

مذہب علم کا دشمن اور عقل کا حریف ہے۔

مذہب، عقل کے دیبے گل کرتا ہے کہ اس کا چراغ جلے۔

مذہب اپنے آپ کو اندھی عقیدت کی بنا پر منواتا ہے۔

مذہب، لوگوں کو روشنی سے، تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ **يُخْرِجُكُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (۲۴۱)**

مذہب کی تلقین یہ ہوتی ہے کہ تم بھڑ بھڑائی کی طرح سر جھکائے، آنکھیں بند کئے پا مال راستوں پر چلتے جاؤ۔

مذہب، عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے

اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔

اس لئے مذہب، ہر زمانے میں نئے نئے بت

تراش رہتا ہے تاکہ عوام کو بہلائے رکھے۔

مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ: حج

زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ بساز

مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا

13

14

15

16

17

18

19

20

کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات طرز سے منواتا ہے۔
مذہب انسان کو ہر بڑی چیز کھٹ پر سجدہ ریز بنا کر دیتا ہے۔

دل کو جرات اور ہیا کی کامی بنا دیتا ہے۔
مذہب انسان کو ہر بڑی چیز کھٹ پر سجدہ ریز بنا کر دیتا ہے۔

مذہب کشمکش حیات سے فرار سکھاتا ہے۔
مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ: ہر

مذہب، مادی کائنات کو قابل نفرت قرار دے کر اسے تباہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔
مذہب اس دنیا کو ترک کر دینے سے آخرت کی جنت کا وعدہ دیتا ہے۔

مذہب، تقدیر کے بہانے انسان کو بیکسر بننے کا شعلہ بجا دیتا ہے۔
مذہب، کمزوروں، ناتواؤں، مظلوموں کو تعلیم دے کر مطمئن رکھتا ہے کہ یہاں سب کچھ

خدا کی مرضی سے ہوتا ہے اور راضی برضا رہنا خدا کے مقرب بندوں کی نشانی ہے۔ اس سے مستبد، ظالم اور غاصب قوتیں بے لگام چھوڑ دی جاتی ہیں کہ وہ جو جی میں آئے کریں۔

مذہب خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے۔

مذہب ہر خوشی میں غم کا پہلو دیکھتا ہے اور انسان میں ایسی مایوسانہ ذہنیت پیدا کر دیتا ہے جس میں اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ: ہر

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے اٹھتا ہے کہ: ہر

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے

دین اعلان کرتا ہے کہ: مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ
الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ (۱۶۴) وہ کون
ہے جو مذہب و ذہنیت کی ان چیزوں کو حرام قرار
دے سکتا ہے جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے
پیدا کیا ہے۔

دین، زندگی کے قہقہے۔

دین، زندہ حقیقت۔

دین کہتا ہے کہ: فَمَنْ يَدِّمْ هَوٰی فِي شَايٍ -

زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔

اس لئے ہدایت طرزی عین تقاضائے حیات ہے۔

دین قبرستانوں میں صویرا سرافیل بھونک کر مردوں
کو حیات تازہ عطا کر دیتا ہے۔

دین ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام

دین خدا کا رسول۔ دین خدا کا کلام !!!

دین ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام

دین سے نور حیات۔ دین سے نور حیات

مذہب، کائنات کی ہر چیز پر منہ بسورنا اور
تبدیلیاں پڑھانا سکھانا ہے۔

مذہب، موت کی سسکیاں ہیں۔

مذہب ایک خواب پریشاں ہے۔

مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دیتا

ہے۔

مذہب انسانی بستیوں کو قبرستانوں میں تبدیل
کر دیتا ہے۔

مذہب انسانیت کی موت ہے۔

دین دم جبرئیل۔ دین دل مصطفیٰ

دین نقیبہ حرم۔ دین امیر جنود

دین کے مضارب سے نغمہ تار حیات

یہ ہوتا ہے دین جو مذہب میں تبدیل ہو کر انسانیت کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔

چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لئے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو سچ کے نقاب میں پیش کرتا ہے۔
مذہب بھی یہی کرتا ہے۔ وہ دین کے الفاظ، اصطلاحات، رسوم و مناسک اسی شکل میں قائم رکھتا ہے
لیکن ان کی روح نکال دیتا ہے۔ یہی دین کے وہ بے روح خدو خال ہیں جن سے مذہب عوام کو دھوکا دیتا
ہے۔ مذہب، درحقیقت دین کی مٹی شدہ لاش کا نام ہے۔

(۱)

دین کے ساتھ جو کچھ اقوام سابقہ کے دھرموں پر تھا وہی کچھ اسلام کے ساتھ بھی ہوا۔ اللہ تعالیٰ

نے اس دین کو قرآن کریم میں مکمل کیا۔ اور حضورؐ نے اس قرآن

کو اُمت کو دے دیا۔ لیکن حضورؐ کی تشریف برداری کے محظوظ

عرضہ بعد، مفاد پرست قوتوں نے اچھڑنا شروع کر دیا۔ اس دفعہ، پہلے ملوکیت آئی۔ اس کے ساتھ سرمایہ داری

اور ان دونوں نے اپنے تحفظ کے لئے دین کو مذہب میں بدلنا شروع کر دیا۔ چنانچہ یہ دین بھی آہستہ آہستہ

حکامی اشعار میں "دین" کے بجائے "عشق" کا لفظ ہے۔

حکامی اشعار میں "دین" کے بجائے "عشق" کا لفظ ہے۔

حکامی اشعار میں "دین" کے بجائے "عشق" کا لفظ ہے۔

اسی طرح مذہب میں تبدیل ہو گیا جس طرح سابقہ انبیائے کرام ؑ کا لایا ہوا دین تبدیل ہوا تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ اس دین کا ضابطہ — قرآن کریم — اپنی اصل شکل میں محفوظ رہا۔ کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا تھا۔ لیکن اس کتاب کا محفوظ رہنا، مذہب کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ چنانچہ اس نے اسے قوم کی زندگی سے عمداً خارج کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ رسول اللہ ؐ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا تھا جو دین کو اس کی اصل شکل میں پھر سے دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ کسی آنے والے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ دین، قرآن کریم کے اندر منضبط تھا اور قرآن حرفاً حرفاً محفوظ۔ اس لئے اب دین کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنے کی ضرورت بھی تھی کہ قرآن کریم کو عملی زندگی کا ضابطہ بنانے کی کوشش کی جائے۔

یہی وہ کوشش تھی جو ہمارے زمانے میں تحریک پاکستان کی شکل میں سامنے آئی۔ جیسا کہ معلوم ہے، پاکستان کا تصور علامہ اقبالؒ کی بصیرت قرآنی کا رہا ہے۔ انہوں نے اس مطالبہ کی بنیاد ہی اس حقیقت پر رکھی تھی کہ قرآن کریم مسلمانوں کی عملی زندگی کا ضابطہ اسی صورت میں بن سکتا ہے جب ان کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں قرآنی اصول و احکام نافذ کئے جاسکیں۔ غیر دل کی حکومت میں مذہب تو باقی رہ سکتا ہے، دین نہیں رہ سکتا۔ آپ احباب کو معلوم ہے کہ تحریک پاکستان کی سب سے زیادہ مخالفت ہمارے علماء و حضرات کی طرف سے ہوئی تھی۔ یہ درحقیقت دین اور مذہب کی وہی کش مکش تھی جو ازل سے تار و زار، باہم درگزر ستیزہ کار چل رہی ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

تحریک پاکستان کی مخالفت

مذہب کی اولیں کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت کا پورا اقتدار بالواسطہ مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں رہے اور حکمران طبقہ ان کے فیصلوں کو نافذ کرنے کی مشینری کا کام دے۔ اس انداز کو تھیا کر یہی کہتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو مذہبی پیشوائیت یہ چاہتی ہے کہ مملکت میں ایسا نظام قائم ہو جس میں امور سیاست، حکومت کی تفویض میں رہیں اور مذہب، مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ اسے سیکولر انداز حکومت کہا جاتا ہے۔ ہمارے قرنِ اول کے بعد، جب دین، مذہب میں تبدیل ہو گیا تو اس میں ایسے ادوار بھی آئے رہے جن میں تھیا کر یہی کا دور دورہ تھا لیکن یہ پیشوائیت مجموعی حکومتوں کا انداز سیکولر رہا۔ اسی انداز کو انگریزوں نے ہندوستان میں قائم رکھا۔ ان کے عہد حکومت میں بھی پبلک لائف، حکومت کی تحویل میں تھی، اور پبلک لائف مذہب کے سپرد۔ تحریک پاکستان سے مقصود یہ تھا کہ اس مملکت میں نہ تھیا کر یہی باز پاسکے نہ سیکولرزم۔ اس میں دین کی حکمرانی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں (ملوکیت اور سربراہی داری کی طرح) مذہبی پیشوائیت کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ دوسری طرف ہندو نے یقین دلایا کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد مملکت کا نظام بدستور سیکولر رہے گا۔ چونکہ یہ انداز، مذہبی پیشوائیت کو (SULT) کرتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہندوؤں سے مفاہمت کر لی۔ مذہب اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے ہر ایک سے مفاہمت کر سکتا ہے۔ لیکن دین لاشریک ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کسی سے مفاہمت نہیں کر سکتا۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے عشق بیچارہ نہ صوفی ہے نہ کلام نہ حکیم
اس لئے تحریک پاکستان جو دین کی بنیادوں پر اٹھی تھی، نہ ہندو سے مفاہمت کر سکتی تھی نہ مذہبی پیشوائیت سے۔
چنانچہ جب اس تحریک نے مذہبی پیشوائیت سے مفاہمت نہ کی تو اس نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی
کا زور لگایا۔ انہیں نیشنلسٹ یا (قوم پرست) علماء کا طبقہ کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ وہاں ایک گروہ ایسا
ہی تھا جو مذہب کے نام پر مملکت کا پورا اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔ یعنی یہ طبقہ تقیہ کر لے کر قائم
کرنے کا متمنی تھا۔ چونکہ دین کی نظروں میں تقیہ کر لے ہی باطل ہے جیسی سیکولرزم، اس لئے
تحریک پاکستان اس طبقہ سے بھی مفاہمت نہیں کر سکتی تھی۔ لہذا یہ طبقہ بھی تحریک پاکستان کا
مخالف تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ تحریک پاکستان کی کشمکش، کس طرح درحقیقت دین اور مذہب کی وہی کشمکش
تھی جو ازل سے تا امروز ستیزہ کار چلی آرہی ہے۔ اور وہی کشمکش یہاں بھی جاری ہے۔
چونکہ مذہب، ہر نظریہ، ہر تصور، ہر نظام اور ہر ادارہ کے ساتھ مفاہمت کر سکتا ہے اور سرمایہ دار
طبقہ اس کا پشت پناہ ہوتا ہے، اس لئے ان لوگوں کے پاس نہ روپے پیسے کی کمی ہوتی ہے نہ اسباب و
زرائع کی محتاجی۔ روپے کے زور پر یہ لوگ پراپیگنڈہ کی مشینری پر قابو پا لیتے ہیں اور جھوٹ کو
سچ کر کے دکھاتے چلے جاتے ہیں۔ دین، ان قوتوں میں سے
سایمان و ذرائع کی فراوانی کسی کے ساتھ مفاہمت نہیں کر سکتا۔ اس لئے جو لوگ اس کی
ت کو لے کر اٹھتے ہیں ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔
فقر جنگاہ میں بے ساز و بیراق آتا ہے

در مختلف حربے | پھر، مذہب اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہر حربے کا استعمال جائز سمجھتا
ہے۔ وہ جھوٹ بولنے میں بھی کوئی باک نہیں محسوس کرتا۔ سینٹ پال
کے الفاظ میں بڑے فخر سے کہتا ہے کہ

اگر میرے جھوٹ کے سبب، خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی
تو پھر مجھ پر گنہگار کی طرح کیوں حکم دیا جاتا ہے۔ (رومیوں کے نام - ۳)
وہ تعلیم یہ دیتا ہے کہ دنیا کو اپنے ساتھ بلانے کے لئے بڑے مقدس اور زریں اصول پیش کرو۔ لیکن
جب اس طرح قوت حاصل ہو جائے تو پھر ان تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر عملاً وہی کچھ کرو جس
میں اپنا مقاد سجدہ۔

مذہب ہمیشہ سے یہی کچھ کرتا چلا آیا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنی فریب کاریوں سے
دین کو شکست دے سکتا ہے۔ دین، خدا کے اہل قوانین کا نام ہے۔ اور ان قوانین
کا آخر الامر غالب آنا خدا کا پروگرام ہے۔ خدا کے پروگرام کو دنیا کی کوئی طاقت
شکست نہیں دے سکتی۔ لیکن حق آہستہ آہستہ باطل کے نظام پر غالب آتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس لئے کہ خدا کا

دین کا غلبہ

ایک ایک دن ہزار ہزار سال، بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے۔ جن اربابِ نظر کی نگاہیں ان انقلابات پر ہیں جو اس وقت دنیا کے مختلف گوشوں میں رونما ہو رہے ہیں۔ (اور جنہیں علامہ اقبالؒ نے "قیامتِ موجود سے تعبیر کیا ہے) انہیں نظر آرہا ہے کہ اب مشیت کے پروگرام کے مطابق باطل کے نظامِ ہائے زندگی کے مٹنے کا وقت بڑی تیزی سے آرہا ہے۔ دنیا سے لوکیت کا دورِ دودھ ختم ہو رہا ہے۔ ہر نئے سورج کے ساتھ کوئی نہ کوئی تاجِ فضا میں اُڑنا دکھائی دیتا ہے۔ نظامِ سرمایہ داری، جاگیر داری، زمین داری، حرفِ غلط کی طرح مٹ رہا ہے۔ اور ان کے ساتھ ہی مذہب کی سحر کادیاں بھی انحرافات کی طرح ہوا میں اُڑتی چلی جا رہی ہیں۔ آپ مٹھوڑا سا غور کریں گے تو یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ انسانی قلوب و اذہان پر مذہب کی جو گرفت آج سے پچاس سال پہلے تھی، وہ بڑی حد تک ڈھیل پڑ چکی ہے۔ ہندوستان سے سناتن دھرم بڑی تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ ہر دھمت کا مان و مکتبہ چین تھا۔ اسے وہاں سے دیس نکال لیا چکا ہے۔ تبت ان کے خداؤں (الہاؤں) کا پایہ تخت تھا۔ وہ وہاں سے بیک بینی دو گوش نکالے جا چکے ہیں اور اب اپنی جان کی حفاظت کے لئے در بدر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہودیت مذہب کو چھوڑ کر، سیاست میں بدل چکی ہے۔ عیسائیت کی قدیم عمارت کا وسطی ستون، پوپ ہے۔ اس ستون کی بنیادوں میں بھی لرزش پیدا ہو رہی ہے۔ غرضیکہ مذہب کی دنیا میں آپ جہاں بھی دیکھیں گے آپ کو نظر آجائے گا کہ اسے

مے خانہ کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات علامہ اقبالؒ نے عرصہ ہوا، لیگ آف نیشنز (انجمنِ ملل) کے متعلق کہا تھا کہ:۔

بلے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے ڈر ہے خبر بد نہ میرے من سے نکل جائے
تقدیر تو برم نظر آتی ہے دیکھیں پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتہ پیر کا فرنگ ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

جو کچھ انہوں نے لیگ آف نیشنز کے متعلق کہا تھا، وہی کچھ اب سالوں کے خود ساختہ مذہب کے متعلق نظر آتا ہے۔ اس وقت اربابِ مذہب کے ہاں جذبات کی جو شدت نظر آتی ہے وہ ان کی حرکتِ مذہبی ہے۔ اس سے یہ کچھ وقت کے لئے فضا میں انتشار اور معاشرہ میں خلفشار تو پیدا کر سکتے ہیں، اپنی مسندوں کو گرنے سے بچا نہیں سکتے۔ زمانے کے تقاضے انہیں ختم کر کے رہیں گے۔

اس مقام پر ایک اہم نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ جب باطل، زمانے کے تقاضوں کے ہاتھوں مٹتا ہے تو اس طریق کار میں ایک نقص رہ جاتا ہے۔ اور وہ کہ یہ تقاضے صرف باطل کو مٹاتے ہیں، اس کی جگہ، حق کا نظامِ ساتھ کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے درمیان ایک خلا رہ جاتا ہے جسے قانونِ خداوندی کی کائناتی رفتار کے مطابق پُر کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں زمانے کے تقاضے "اللہ کے نشتر" ہوتے ہیں جو فصد کھول کر کثیف خون باہر نکال دیتے ہیں۔ لیکن اس کی جگہ صالح خونِ ساتھ کے ساتھ پیدا نہیں کرتے۔ یہ کام ان لوگوں کے

کرنے کا ہوتا ہے جو دین کا نظام قائم کرنے کا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ وہ وقت، جب زمانے کے تقاضے باطل کے کسی نظام کو مٹا رہے ہوں، ان لوگوں کے لئے بڑا سازگار بھی ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی بڑا صعوبت انگیز اور صبر آزما بھی۔ سازگار تو اس لئے کہ ان کا آدھا کام — یعنی لا الہ الا اللہ کا مرحلہ — زمانے کے تقاضے یا اللہ کے نشتر پورا کر دیتے ہیں۔ انہیں اس ہموار شدہ ذہن پر الا اللہ کی عمارت استوار کرنی ہوتی ہے۔ لیکن میرا ز صعوبات اور صبر آزما اس لئے کہ جس طرح ایک ”بھوت“ نکلنے وقت بڑی دہشت انگیز نشانی پیچھے چھوڑتا ہے، باطل کی قوتیں نزع کی حالت میں بڑی سخت لگد کوئی کرتی ہیں۔

فطرت کا یہ طریق کار (PROCESS) بڑا دلچسپ بھی ہے اور غیرت آموز بھی۔ وہ مذہب پرست طبقہ کو اس خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے کہ اگر قوت ان کے ہاتھ میں آجائے تو ان کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گی۔ چنانچہ یہ لوگ حصول اقتدار کے لئے بڑی تنگ و ناتنگ کرتے ہیں اور اکثر اوقات اسے حاصل بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن یہی چیز ان کی موت کے فرشتے کی رفتار کو تیز کر دیتی ہے۔ یہ نکتہ غور سے سمجھنے کے قابل ہے۔

اقوام عالم کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جب کبھی اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آیا تو ان سے اس قسم کے اذیت ناک اور کرب انگیز مظالم ظہور میں آئے جن کی مثال کسی ہلاکو اور جنگیر کے ہاں بھی نہیں ملتی۔ (رواضح رہے کہ شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ تمام حکومت براہ راست ان کے ہاتھ میں آئی ہو۔ بالعموم ان کے اقتدار کی شکل یہی ہوتی ہے کہ کوئی حکمران ان کا ہم عقیدہ ہو اور اس طرح بالواسطہ اقتدار ان کے ہاتھ میں آجائے) سیاسی حکمران طبقہ اپنے مخالفین کا، جن سے اسے کسی خطرہ کا اندیشہ ہو، استیصال چاہتا یا کرتا ہے، لیکن مذہبی پیشوا شیت کا اپنے مخالفین کے خلاف انتقام جوئی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ، اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے سوا، سب کو خدا کے باغی، ملحد، بے دین، ناسق، ناجر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے متعلق اس زعم باطل میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہم خدا کے منتخب بندے ہیں، جنہیں اس نے ان گمراہ لوگوں کو سیدھا کرنے کے لئے مامور کر رکھا ہے۔ اس بنا پر ان ناسقوں اور ناجروں کے خلاف ان کے دل میں بغض اور نفرت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ نفیات کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ بغض اور نفرت سے انسان (SADISM) کا شکار ہو جاتا ہے۔ (SADISM) کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کا مریض دوسروں کو اذیت پہنچا کر خوش ہوتا اور لذت لیتا ہے۔ جب اقتدار ان کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تو یہ ان لوگوں کو، جو ان کے ہم عقیدہ نہیں ہوتے، عذابِ خداوندی کی وعید سناتے رہتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ یہ حضرات اپنے وعظوں اور خطبوں میں اس عذاب کی تفصیل بڑی لذت لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کے (SADISM) کے جذبہ کی ذہنی تسکین ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ، ان کی انتقام جوئی کے سلسلے میں ایک اور جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی

بڑے سے بڑے مستبد اور ظالم صاحبِ اقتدار کے ضمیر میں کبھی خلش پیدا ہو اور وہ اپنے کئے پر نادم ہو جائے۔ لیکن ان حضرات کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے مخالفین کے خلاف جو کچھ کرتے ہیں وہ جہاد ہے اور بارگاہِ خداوندی میں تعرب کا موجب۔ اس لئے یہ اپنے مخالفین پر جس قدر بھی مظالم کرتے ہیں خوش ہوتے ہیں کہ اس سے انہیں ثوابِ عظیم حاصل ہوتا ہے۔

آپ ان حضرات کی اس نفسیات پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ جب — خدا نکرہ — اقتدار ان کے ہاتھ میں آجائے تو انسانیت کس عذاب میں مبتلا ہو جائے گی۔ اقوامِ عالم کی تاریخ ان کی خونریزیوں، سفاکیوں، کرب انگیزیوں اور اذیت رسانیوں کی لرزہ انگیز داستانوں سے خونچکاں ہے۔ ان کی تفصیل میں جانے کے لئے مہلکات درکار ہوں گی۔ یہاں چند ایک مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کس طرح ہیکل کے مذہبی پیشواؤں کی غضونت آمیز سیاہ کاریوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے تھے۔ بالواسطہ اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے ان پر ہاتھ ڈالا اور (برعکس خویش) اس قسم کی موت مارا جو انتہائی اذیت رساں بھی تھی اور ان کے عقیدہ کی رُو سے لعنتی بھی۔ اذیت رسانی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انہوں نے ان کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھوک کر صلیب پر لٹکا دیا کہ وہ کرب و اذیت، بھوک، پیاس اور دھوپ کے عذاب سے سسک سسک کر جان دیں۔ اس سے ان کی ہوس انتقام جوئی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

یہودیوں سے آگے بڑھ کر عیسائیوں کی طرف آئیے اور ان کے (REFORMATION) کے زمانے کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالیئے۔ اس میں آپ کو ظلم اور استبداد کی ایسی ایسی لرزہ انگیز داستانیں ملیں گی، جن سے آپ کی روح کپکپا اٹھے۔ صرف ایک شہر پیرس میں چھ مہینے کے عرصے میں ایک عیسائی شام کے بیان کی رو سے ستائیس انسانوں کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔ تین مہینے کے عرصے میں دس ہزار انسانوں کو جلا یا گیا یا تڑپا کر مارا گیا۔ ۱۵۸۱ء سے دو ایک سال پہلے کے عرصہ میں جن لوگوں کو مختلف اذیتیں دے کر ہلاک کیا گیا یا زندہ جلا یا گیا ان کی تعداد دو لاکھ سے کم نہیں۔ اذیتیں کس قسم کی ہوتی تھیں اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے کہ سترہویں نامی ایک ممتاز پادری کو جس کے خلاف کفر کا فتویٰ لگا تھا۔ پس کے بستر سے اٹھایا گیا۔ پشت کی جانب اس کے ہاتھ باندھے گئے۔ اس کے سارے کپڑے اتار دیئے گئے اور اس کے پاؤں میں رستی باندھ کر اسے برف آلودہ سڑکوں پر گھسیٹتے ہوئے مقتل کی طرف لے گئے۔ وہ لہو لہان ہو رہا تھا اور چیختا تھا کہ مجھے مارنا ہی ہے تو کم از کم مجھے مقتل تک اٹھا کر لے جاؤ۔ لیکن اس کی کوئی نہیں سنا تھا۔ اسے زندہ جلا نا مقصود تھا لیکن نکتہ بیاں گیلی تھیں اس لئے ان میں آگ نہیں لگ رہی تھی۔ دو گھنٹے کے انتظار کے بعد اسے جھلستی ہوئی لکڑیوں میں پھینک دیا گیا کہ وہ سسک سسک کر کباب ہو جائے بالآخر اسے لاٹھیوں سے پیٹ پیٹ کر ہلاک کیا گیا اور ان خداؤں

فرجداروں نے نعرہ بلند کیا کہ ”خدا کے مسیح کا بول بالا ہو۔“

خود ہماری تاریخ بھی کچھ کم خود چمکاں اور لہزہ انگیز نہیں۔ عبا سینوں کے زمانے میں ایک مسئلہ خلقِ قرآن کو لیجئے اور پھر دیکھئے کہ اس عقیدہ کے موافق اور مخالف گروہوں نے اپنی اپنی باری فصاحت کو کس کس قسم کے کرب انگیز مظالم کا نشانہ بنایا۔ جعد بن درہم کو خالد بن عبداللہ نے عید الاضحیٰ کے دن قربانی کے طور پر اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور اس کے بعد اسی خالد کو اس کے مخالف، یوسف، نے شکست دی کس کس کو اس کے سینے کو ریتی سے ریت ڈالا۔ خلیفہ ثالث نے احمد بن نصر کو سامرہ میں سولی پر چڑھا دیا اور اس کے سر کو بغداد بھیج دیا۔ کان میں ایک دفعہ لٹکا دیا جس پر لکھا تھا۔

یہ احمد بن نصر مشرک اور گمراہ کا سر ہے جس کو امیر المؤمنین نے بغرض تقرب الہی خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل جیسی واجب الاحترام ہستی کو اٹھارہ ماہ تک ایک تنگ و تاریک قید خانہ میں سختیاں جھیلنے کے لئے مجبور رکھا۔ دہائی انہیں اس قدر شدت سے پٹا جاتا تھا کہ ان کے جسم کے گوشت کے ٹکڑے اڑاڑ جاتے تھے۔ یہ سب کس جرم کی پاداش میں تھا؟ اس جرم کی پاداش میں کہ وہ ان علما سے (جن کا ہم خیال خلیفہ تھا) ایک عقیدہ میں اختلاف رکھتے تھے۔ اور وہ عقیدہ بھی محض نظری اور فرعی تھا۔

ان شخصی اذیت رسائیوں کے علاوہ ان مذہبی پیشواؤں کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں جن علما و مسے بھی اختلاف ہوتا ان کی تصنیفات کے ایک ایک ورق کو تلاش کر کے تلف کر دیا جاتا۔ مثلاً ابو مسلم اصفہانی نے تیرہ جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ ابوالقاسم بلخی نے بارہ جلدوں میں تفسیر مرتب کی۔ اسی طرح ابوبکر اہم اور قتال نے بھی بڑی بڑی ضخیم تفسیریں لکھیں۔ یہ لوگ بڑے ذی علم اور ذہین تھے۔ ان کی تفسیریں قرآنی علوم میں نہایت قیمتی اضافہ تھیں۔ مگر آج یہ سب ناپید ہیں۔ ان کے صرف بعض اقوال امام ربانی وغیرہ کی تفسیر میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ خود امام ربانی کو بھی وار و گیر کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے روپوش ہو کر اپنی جان بچائی۔ امام ابن حزم کو بھی جلا وطن ہونا پڑا اور وہ اسی حالت میں صحرائے لیلہ میں وفات پا گئے۔ علامہ آمدی کو بھی علما سے بعض اختلافات کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ ابن رشد کو فلسفہ کے جرم میں پہلے نظر بند کیا گیا۔ پھر جلا وطن اور ان کی کتابیں جلا دی گئیں۔ محدث ابن حبان کو اتنی سی بات پر جلا وطن کر دیا گیا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ”خدا محدود نہیں ہے ہر جگہ موجود ہے۔“

میں نے یہ چند واقعات محض مثال کے طور پر بیان کئے ہیں، ورنہ دیگر مذاہب عالم کی طرح، ہمارے تاریخ بھی اسی قسم کے واقعات سے لالہ زار ہے۔ جس سے کسی مسئلہ میں ذرا سا اختلاف ہوا، اس کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا۔ اس سے وہ مرتد قرار پا گیا۔ یہ مسئلہ پیسے سے وضع کر دیا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ اور اس فیصلہ کی رو سے ”بحکم شریعت“ اسے حوالہ دار و رسن کر دیا۔ جب حالات نے پلٹا دکھایا اور کوئی ایسا

حکمران برسرِ اقتدار آگیا جو ان لوگوں کا ہم عقیدہ تھا جن کے خلاف کفر کے فتوے لگے تھے تو پھر ان کی باری آگئی جنہوں نے ایسے فتوے لگائے تھے۔ پھر یہ مرتد قرار پا گئے اور ہلاک کر دیئے گئے۔ اس ہزار سال کے عرصہ میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کے خلاف بالواسطہ یا بلا واسطہ کفر کا فتویٰ نہ لگ چکا ہو۔ اسے اس طرح سمجھ لیجئے کہ ہمارے زمانے میں موجودہ فرقوں میں سے کوئی فرقہ ایسا نہیں جس کے خلاف کفر کا فتویٰ نہ لگ چکا ہو۔ اور چونکہ ہر مسلمان کسی نہ کسی فرقہ سے متعلق ہوتا ہے اس لئے کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جو کافر نہ قرار پا چکا ہو۔ یہ تو غنیمت ہے کہ یہ فتوے اس زمانے میں لگے جب اقتدار مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں نہ تھا۔ ورنہ اگر ان حضرات کے فتووں پر عمل درآمد کرنے والا حکمران طبقہ ہوتا تو ہندوستان میں کوئی ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہتا۔ یہ تو رہے وہ مسلمان جو کسی نہ کسی فرقہ سے وابستہ ہیں، انہوں نے علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کو بھی نہ چھوڑا۔ ان کے خلاف بھی کفر کے فتوے صادر کر دیئے گئے۔ لیکن وہ بھی اس لئے زندہ بچ رہے کہ مرتد کی سزا قتل پر عمل درآمد کرنے والی حکومت موجود نہ تھی۔ نہ ہی اقتدار براہِ راست ان حضرات کے ہاتھ میں تھا۔ جب اقتدار مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں آتا ہے تو اس میں انسانیت پر کیا قیامت گذرتی ہے اس کی تازہ مثال انقلاب ایران ہے۔ اس انقلاب میں زمام اقتدار دہل کی مذہبی پیشواؤں کی سب سے بلند شخصیت امام الخميني کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے زیرِ ہدایت ایک خفیہ اسلامی عدالت قائم ہے جس کے ناموں تک کا کسی کو علم نہیں۔ اس عدالت میں ان کے مخالفین کے خلاف مقدمات پیش ہوئے ہیں، چند گھنٹوں میں ان کی سماعت ہو جاتی ہے۔ سزائے موت کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے اور ان مخالفین کو گولی سے آرا دیا جاتا ہے۔ آج ۹ مئی ۱۹۷۹ء تک اس طرح سزائے موت پانے والوں کی تعداد ۲۳۸ تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں سابقہ حکومت کے وزیرِ اعظم، وزیرائے مملکت، بڑے بڑے جرنیل، فوجی افسر، قومی اسمبلی کے سپیکر، پولیس کے آفیسرز وغیرہ شامل ہیں۔ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے مطابق:-

ان اکیس افراد پر (جنہیں ۸ مئی کو گولی سے آرا دیا گیا) ایک الزام یہ بھی تھا کہ انہوں نے ایران کے مذہبی راہنما آقاؑ سے آیت اللہ الخميني کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کئے۔ یہ الفاظ اس وقت استعمال کئے گئے تھے جب آقاؑ نے خیمین پیرس میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ (سزائے موت ۹ مئی ۱۹۷۹ء)

امام الخميني اسے اسلامی انقلاب سے تعبیر کرتے ہیں جس کے تحفظ کے لئے انہوں نے فوج اور پولیس کے علاوہ خصوصی فوجی دستوں کی تشکیل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ "اس انقلاب کو دوسرے ممالک میں بھی برآمد کریں گے" (ایضاً)

(۰)

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ اس بات پر کیوں زور دیتے تھے کہ پاکستان میں تقیہ کر بیسی قائم نہیں ہونے دی جائے گی۔ یعنی وہ ایسی اسلامی حکومت نہیں ہونگی جس میں

بالواسطہ یا بلاواسطہ اقتدار مذہبی پیشواؤں کی ہمت میں ہو۔ تشکیل پاکستان کے بعد میں نے اپنا فریضہ سمجھا کہ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی اس آواز کو (جو درحقیقت قرآن کی آواز ہے) عام کیا جائے کہ یہاں مقبلا کر لیں قائم نہیں ہوگی اور یہی میرا وہ ہم ہے جس کی وجہ سے میری اس قدر مخالفت ہو رہی ہے۔ میرا تعلق نہ کسی مذہبی فرقہ سے ہے نہ سیاسی پارٹی سے، نہ میں عملی سیاست میں حصہ لیتا ہوں۔ میں قرآن کریم کی طرف سے عائد کردہ اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ قوم پر اس حقیقت کو واضح کر دوں کہ اس خطرہ زمین کو اس لئے چل گیا تھا کہ اس میں اسلامی حکومت قائم ہو مقبلا کر لیں قائم نہ ہو، کیونکہ مقبلا کر لیں اور اسلامی نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ میں اور میرے رفقاء اس حقیقت کو نہایت پُر امن طریق سے عام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں کسی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جس قدر سامان و ذرائع کی ضرورت ہے ہمارے پاس ان کی بے حد کمی ہے۔ لیکن وہ جو قرآن کریم نے کہا ہے کہ تم دین کی آواز بلند کرنے کے لئے اٹھو تو خدا کی کائناتی قوتیں تمہارا ساتھ دیں گی، کچھ اسی کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ سامان و ذرائع کی اس قدر کمی کے باوجود قرآن کی آواز جس تیزی سے پھیلی جا رہی ہے وہ ہمارے دم دماغ میں بھی نہیں تھا۔ آپ ذرا دس بیس برس اگھر کا نقشہ سامنے لائیے اور پھر آج کی فضا پر غور کیجئے۔ آپ کو نظر آجائے گا کہ یہ آواز کس طرح خاموشی ہی خاموشی سے ہر گوشے کو متاثر کئے جا رہی ہے، اور یہ حقیقت کس طرح ایک واقعہ بن کر سامنے آ رہی ہے کہ وہ

حسن کے راز نہاں شرح و بیان تک پہنچے آنکھ سے دل میں گئے، دل سے زبان تک پہنچے
دل نے آنکھوں سے کہی آنکھ نے دل سے کہی بات چل نکلی ہے، اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

یہ بات چل نکلنے کا نتیجہ ہی تو ہے کہ جن حضرات کے مواظظ و خطبات و تقاریر میں مجھ سے بھی قرآن کا نام نہیں آتا تھا وہ اب قرآن مجید کی آیات اور دین کی اصطلاحات استعمال کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اب فضا انہی کا تقاضا کرتی ہے۔ واضح رہے کہ اس سے میں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا کہ یہ حضرات مذہب کو چھوڑ کر دین کی طرف آ رہے ہیں۔ یہ قرآن، دین اور اس کے نظام کے الفاظ محض مصلحتاً استعمال کرتے ہیں۔ وہ نہ اپنے فرقہ دارانہ عقائد کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں اور نہ ہی اپنے اپنے فرقہ کے فقہی قوانین کو قرآنی قوانین سے بدلنے کے لئے آ رہے۔ ان کے نزدیک اسلامی حکومت سے مراد وہی مقبلا کر لیں نظام حکومت ہے جسے مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا اور جس کے خطرات سے علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ نے قوم کو آگاہ کیا تھا۔ مجھے اس بات کی العینہ خوشی ہے کہ قرآن کریم کی یہ آواز پاکستان کی حدود سے آگے بڑھ کر مغربی ممالک تک بھی پہنچ گئی ہے۔ اور چونکہ وہ لوگ مقبلا کر لیں کے سانپ کے ڈسے ہوئے ہیں اس لئے اگر وہاں کسی خطرہ میں اسلامی نظام کے قیام کا امکان ہوا تو وہ مقبلا کر لیں کو پاس نہیں دیکھنے دیں گے۔ میرے ایک رفیق محترم محمد اسلام صاحب نے طلوع اسلام کنونشن ۱۹۶۶ء میں اپنے ایک خطاب میں جس کا عنوان ”ذکر و فکر پرویز“ تھا مغربی مصنفین کی ان چند کتابوں کا ذکر کیا تھا جن میں میری قرآنی فہم اور تحریک کا نمایاں طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ اس کے بعد ہماری کوئی کنونشن منعقد نہیں ہوئی اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کی پیش کردہ تفصیل کو یہاں دہرایا جائے۔

ڈاکٹر فالتا ۱۹۶۶ء کا ذکر ہے۔ (PETER-SCHMID) نامی ایک جرمن اسکالر ہندو پاک کی سیاست

کے لئے آیا اور پرویز صاحب سے بھی آکر ملا۔ بعد میں اس نے اپنے تاثرات اور افکار کو کتابی شکل میں مرتب کیا جس کا انگریزی ترجمہ (INDIA - MIRAGE & REALITY) کے نام سے شائع ہوا۔ جس کا اس زمانے میں بڑا چرچا ہوا۔ اس نے پرویز صاحب سے اپنی ملاقات کا حال بڑے شگفتہ اور ڈرامائی انداز میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ اجاب کو معلوم ہے پرویز صاحب کے مکان میں ایک الگ کمرہ ہے جس میں وہ کام بھی کرتے ہیں اور وہیں ملنے والے آکر ملتے بھی ہیں۔ اسی کمرہ میں ان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جس کے تاثرات انہوں نے ان الفاظ میں بیان کئے:

میں جب کچھلی مرتبہ پاکستان آیا تو ایک مذہبی شخصیت، پیرانکی شریف (مرحوم) سے ملا تھا۔ اس دفعہ ایک اور مذہبی شخصیت سے ملاقات ہوئی جس کی تعلیم اور وسعتِ ظرف اسے بالکل مختلف زمرہ میں شامل کرتی ہے۔ قرآنکد دیسریج سینٹر، جس کے سربراہ - جی - رائے - پرویز ہیں - گلبرگ کے ایک مکان کی سچلی منزل میں واقع ہے۔ اسی گلبرگ میں جو فلم اسٹاڈز اور دیگر ارضی مخلوق کا مسکن ہے۔ ان کے کمرے میں کھانے پینے کے برتن اور (انکا کتب خانہ اور) مسودا اس امر کی شہادت دیتے تھے کہ وہی کمرہ ان کا دفتر بھی ہے اور خواب گاہ بھی۔ اس مردِ بزرگ کے چہرے کی عتیق لکیریں اور اس کی نیند کی ترسی ہوئی آنکھیں - سادہ سی دھات کے زرمیم کا چشمہ اور سفید بال، اس حقیقت کے غماز تھے کہ وہ کس گہری سوچ میں ڈوبے رہتا ہے۔ ان سوچوں کی پیدا کردہ علمی اور فکری صلاحیت میں کچھ لوج پیدا کرتی تھیں تو اس کی خواب آلود آنکھیں - اس کے نزدیک تقویٰ، ترک دنیا کا نام نہیں بلکہ اس دنیا کو صفاتِ خداوندی کا آئینہ دار بنادینے کی بالارادہ کوشش کا نام ہے۔

عربان میں! ذرا غور کیجئے کہ مغربی مفکرین کی نگاہیں کس قدر تیز ہوتی ہیں۔ پرویز صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہی نہیں پڑتا کہ مجھے کسی رات بھی گہری نیند نصیب ہوئی ہو۔ جس شخص کا دماغ دن بھر گہری سوچوں میں غلطاں و پیچاں رہے، اُسے گہری نیند آ کیسے سکتی ہے؟ پرویز صاحب نے اگر سوچ نہ بتایا ہوتا تو ہمیں شاید ہی اس کا احساس ہوتا کہ ان کی آنکھیں گہری نیند کو ترسی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ مفکر پہلی نظر میں بھانپ لیتا ہے کہ اس شخص کی آنکھیں محروم خواب رہتی ہیں اور اس کی پیشانی کی لکیریں اس گراموفون ریکارڈ کی لکیریں ہیں جن میں صدیوں کی بادداشتیں مستور ہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی ملاقات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جس میں موضوع گفتگو بیشتر قرآن کے معاشی نظام اور کمیونزم کا تقابلی موازنہ تھا۔

۲۔ لیڈ کے مشہور مستشرق (DR. J. M. S. BALJON) نے ۱۹۶۱ء میں ایک کتاب

شائع کی جس کا عنوان ہے (MODERN MUSLIM KORAN INTERPRETATION) اس مقصد کے لئے اس نے برصغیر ہندو پاک سے تین مفسرین کا انتخاب کیا یعنی عمر عبدہ کے مسلم مفسرین قرآن۔ اس مقصد کے لئے اس نے برصغیر ہندو پاک سے تین مفسرین کا انتخاب کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم)، علامہ عنایت اللہ خان المشرفی (مرحوم) اور پرویز صاحب۔ کتاب میں اس نے مختلف موضوعات پر ان ہر سہ مشاہیر کے علمی فکری اور قرآنی افکار کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ جس سے اس

کتاب نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی ہے۔ پرویز صاحب کی شخصیت کا تعارف کراتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ:-

پرویز صاحب کی شخصیت کے حقیقی جہروں کو ان کی درخشندہ تحقیقات اور بلند پایہ علمی صلاحیتوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیے۔ مہدافیس نے انہیں ان فوجوالوں کے لئے جن کا موجد کے علاوہ میں گھرا ہوا سفیدہ حیات، مذہبی سنگمر کی تلاش میں ہوا، اعلیٰ صلاحیتوں کا استاد اور باپ کی طرح شفیق دوست بنایا ہے۔ ان کی صاف اور شفاف نگاہ پیش آمدہ مسائل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے اور ان کے متعلق ان کی بلا کاوش و تردد، صائب رائے اور آزادانہ فیصلے ان کے اطمینان قلب و شرح صدر کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے اثر و نفوذ کا دائرہ دن بدن وسیع تر ہوتا جائے گا۔ (صفحہ ۱۵)

کس قدر صمیم ہے رائے اس محقق کی کہ پرویز صاحب کا اصلی مقام ایک شفیق اور غم خوار باپ کا ہے۔ ہم انہیں یونہی "باباجی" نہیں کہتے!

۳۔ ڈاکٹر (FREELAND ABBOTT) امریکہ کی (TUFTS) یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے صدر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ انہوں نے "اسلام اینڈ پاکستان" کے نام سے ۱۹۶۸ء میں ایک بلند پایہ کتاب شائع کی تھی۔ اس میں انہوں نے فکر پرویز اور تحریک طلوع اسلام کے متعلق بڑی تفصیل سے داخستیں دینے کے بعد کہا ہے کہ:-
پرویز صاحب اس وقت پاکستان کے سب سے بڑے فعال اسلامی رہنما ہیں۔

(صفحہ ۱۳۹)

یہ کتاب فکر پرویز کو دنیا کے دور دراز گوشوں تک متعارف کرانے کا موجب بن گئی ہے۔

۴۔ مستشرقین مغرب میں پروفیسر (E. I. J. ROSENTHAL) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انہوں نے (ISLAM IN THE MODERN NATIONAL STATE) کے عنوان سے ایک شہرہ آفاق کتاب لکھی ہے جسے کیمبرج یونیورسٹی پریس نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ اس میں انہوں نے پاکستان میں مختلف اسلامی تحریکوں کا وسیع جائزہ لیا اور پرویز صاحب اور ان کی تحریک کا ذکر خاصی تفصیل سے کیا ہے۔

۵۔ ۱۹۶۸ء میں عزیز احمد اور G. E. YONGRUEBAUM کی مشترک تصنیف (MUSLIM SELF STATEMENT IN INDIA & PAKISTAN) کے نام سے شائع ہوئی تھی جس میں انہوں نے سرسید (علیہ الرحمۃ) سے لے کر صدر ایوب خان تک کے دور کے مختلف فکری اور سیاسی راہ نمایان ملت کی اسلامی کاوشوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس میں ایک پورا باب پرویز صاحب کی فکر و تحریک کے لئے وقف ہے۔

عزیز احمد صاحب نے ایک اور کتاب (ISLAMIC MODERNISM IN INDIA AND PAKISTAN)

کے نام سے تصنیف کی جسے ۱۹۶۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا تھا۔ اس میں بھی پرتیز صاحب کی فکر و تحریک کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۴۔ کچھ عرصہ پہلے (Mc GILL) یونیورسٹی (کنیڈا) کی طرف سے (Miss Sheila Mc Donough) نامی ایک طالبہ ڈاکٹریٹ کے لئے اپنی تھیسس کی غرض سے پاکستان آئی تھی۔ وہ کافی عرصہ یہاں رہی اور اس کے بعد (The Authority of the Past) کے عنوان سے اپنا تحقیقاتی مقالہ لکھا جسے امریکن اکادمی آف ریلیجین نے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔ اس میں اس نے سرسید، اقبالؒ اور پرتیز کو اپنی تحقیق کا موضوع قرار دیا ہے۔ مقالہ اگرچہ ایک طالب علم کا ہے لیکن اس سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ امریکہ اور کنیڈا وغیرہ کی یونیورسٹیاں فکر پرتیز کو ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیقاتی مقالات کا موضوع منتخب کر رہی ہیں۔ عجیب معلوم ہوا ہے کہ (Mc Donough) نے (Social Import of Parwez' Religious Thoughts) کے نام سے ایک اور تحقیقاتی مقالہ بھی شائع کیا ہے۔ وہ ابھی تک ہماری نظروں سے نہیں گذرا لیکن علمی حلقوں میں اس کا بھی ذکر آتا ہے۔

۵۔ سوئٹزرلینڈ کے ڈاکٹر (P. Robert A. Butler) پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ لاطینی سے وابستہ اور عیسائی مشنری حلقہ کی ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ فکر پرتیز کے ساتھ ان کی وابستگی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ طلوع اسلام کا التزاماً مطالعہ کرتے ہیں اور پرتیز صاحب کی کوئی کتاب ایسی نہیں جسے وہ، اس کے شائع ہونے کے ساتھ ہی حاصل نہ کر لیتے ہوں۔ سال گذشتہ انہوں نے اپنے عرصہ دراز کے مطالعہ کا حاصل (Ideological - Revolution through the Quran) کے نام سے ایک تحقیقاتی مقالہ کی شکل میں شائع کیا جس نے مشنری دوائر میں بالخصوص بڑی شہرت حاصل کی۔ اس مقالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اب حال ہی میں اس کا فرانسیسی زبان میں ایڈیشن ٹیونس (مراکش) سے شائع ہوا ہے۔

میں نے ان چند ایک کتابوں کا ذکر مثال کے طور پر کیا ہے ورنہ خود ان کتابوں کے اندر متعدد دیگر کتابوں کے حوالے موجود ہیں جن میں فکر پرتیز کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس سے دو باتیں واضح ہیں۔ ایک تو یہ کہ پرتیز صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ حق کی آواز میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ فوارہ کی طرح اپنے زور و دھول سے اوپر اٹھتی اور آگے بڑھتی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ پرتیز صاحب کی تمام کتابیں (بجز ایک) اردو زبان میں ہیں اور ان کی پبلیٹی کا یہ عالم ہے کہ ماہنامہ طلوع اسلام کے سوا ان کا کہیں ذکر تک نہیں آتا۔ انہیں اخبارات اور مجلات میں تبصرہ کے لئے بھیجا جاتا ہے تو وہ کتابیں دکھ لیتے ہیں لیکن ان پر (موافق نہ سہی مخالف ہی سہی) تبصرہ نہیں کرتے۔ اس کے باوجود آپ دیکھئے، کہ

یورپ اور امریکہ کی منکر گاہوں میں فکر و تحریک پر توین پر ریسرچ ہوتی ہے اور کتابیں اور مقالے شائع ہوتے ہیں۔“

میرے تحریری لٹریچر کے علاوہ اس فکر کی نشر و اشاعت کے لئے ایک اور ذریعہ ابلاغ بھی اختیار کیا گیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ مؤثر ثابت ہو رہا ہے۔ اور وہ ہے میرے ہفتہ داری درس قرآن مختلف تقاریب پر خطابات، اور تقاریر کی بذریعہ (CASSETTES) نشر و اشاعت۔ ان درس و خطابات وغیرہ کے ”اسٹریپ“ ادارہ میں تیار کئے جاتے ہیں۔ پھر انہیں کیسٹس پر ریکارڈ کر کے عام کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ پاکستان کی مشہور بیستیوں کے علاوہ یورپ اور امریکہ تک کے مراکز میں جاری ہے اور اس کے بڑے امید افزا نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

اس تحریک کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے کہیں سے کوئی مالی امداد نہیں ملتی۔ جو لوگ اس فکر کو اچھا سمجھتے ہیں وہ اپنے ہی ذرائع سے اپنے طور پر اس کی نشر و اشاعت کا انتظام کرتے ہیں۔ خود ادارہ طلوع اسلام بھی اپنے ہی ذرائع سے اسے چلا رہا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ یہ کسی مصلحت اندیشی، جذبہ مفاد پرستی، تذبذب اور جھجک کے بغیر خالص قرآن کی آواز کو بلند کئے چلا آ رہا ہے۔ حق و صداقت کی آواز کا گلا، مصلحت کو شایاں اور مفاد پرستیاں گھونٹتی ہیں اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس تحریک کا گلا ان مصلحتوں کی دسترس سے باہر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ ہم نے آج تک کیا ہے اور جو کچھ کر رہے ہیں حالات اس سے زیادہ کچھ کرنے کے متقاضی ہیں۔ یعنی اس میں زیادہ سے زیادہ وسعت پیدا کرنے کے۔ لیکن ہم اپنی قرآنی آزادی کی قیمت پر ان ذرائع کو حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ قرآن کی آواز کو اگر مصلحت بینی لٹوٹ کر دے تو میرے نزدیک یہ شرک و جلی ہے اور عدالت خداوندی میں شرک سے زیادہ سنگین جرم کوئی نہیں۔ بارگاہ خداوندی سے میری استدعا بھی یہی ہے کہ وہ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے کہ جس طرح میں نے اور میرے رفقاء نے اس تحریک کو ابھی تک شرک سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ اسی طرح اس کے بعد بھی یہ پاک اور صاف رہے۔

(۷)

آخر میں، میں اپنے رفقاء سفر کی خدمت میں بالخصوص دو ایک گز ارشادات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ احباب نے اس وقت تک میرے پروگرام کی تکمیل کے لئے جس مخلصانہ رفاقت کا ثبوت دیا ہے، اس کا گہرا نقش میرے دل پر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے رفقاء سفر پر رہبر و حیات کے نصیب کرے۔ بعض اوقات مجھ سے کہا جاتا ہے کہ ہم اتنے عرصے سے اس آواز کو بلند کر رہے ہیں لیکن لوگ اس طرف بہت کم متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں دوسری جماعتوں کو دیکھتے تو ان کے پیچھے لاکھوں افراد نظر آتے ہیں۔ اس کا تفصیل جواب میں اپنے اس خطاب میں دے چکا ہوں، جو میں نے یوم پاکستان کی تقریب منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء پر پیش کیا تھا اور جس کا عنوان تھا..... ”بھولے ہوئے افسانے“..... اس میں میں نے بتایا تھا کہ ایک انقلابی کی راہ ان لوگوں کی راہ سے

کس قدر مختلف اور دشوار گزار ہوتی ہے جو عوام کے عقائد اور رسوم و مناسک کی تائید کے لئے اٹھتے ہوں۔ بالفاظ دیگر دین کی طرف دعوت دینے والے کی راہ مذہب کے مبلغوں کی راہ سے بالکل مختلف اور صعوبت انگیز ہوتی ہے۔ آپ احباب کی آگہی کے لئے میں ان الفاظ کو دہراتا ہوں جو قرآن نے سورۃ الاحقاف کی کنونشن میں کہے تھے۔ انہیں غور سے سنئے اور دلیل راہ بنائیے۔

”یہ ٹھیک ہے، بہاری برسوں کی ٹنگ و تازہ سے، گنتی کے افراد ہمارے شریک سفر ہوئے ہیں، اور مذہب پرست طبقہ کی ایک آواز پر لاکھوں افراد ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اس کی بین وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ پانی کے بہاؤ کے ساتھ تیرتے ہیں اور آپ اس کے چڑھاؤ کی طرف جاتے ہیں۔ وہ لوگ عوام کو انہی باتوں کی دعوت دیتے ہیں جنہیں وہ پہلے سے مان رہے ہیں، اور آپ انہیں ان راستوں پر چلنے سے روکتے ہیں جن پر وہ صدیوں سے آنکھیں بند کر کے چلے آ رہے ہیں۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ بنی اسرائیل کی طرف خدا کے دو جیل العتدر بنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ برسوں تک ان کی تعلیم و تربیت میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ صرف اس قدر نکلتا ہے کہ۔ وَتَمَّا آتَتْ لِمُوسٰی اِلَآ ذُرِّيَّتَهُ يَتِّمُوا

قَوْمِهِمْ (سورۃ ابراہیم) ان پر قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ اس کے برعکس سامری انہیں ایک بت تراش کر دیتا ہے اور ساری قوم اس کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ اس میں سامری کی کار بیگری اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ اس نے قوم کی نفسیات کا مطالعہ کیا اور گوسالہ پرستی کے جو جذبات ان کے دل کی گہرائیوں میں پہلے سے موجود تھے، ان کی تسکین کا سامان فراہم کر دیا۔ یہی ہر مذہب ماننے کا سامری کرتا ہے۔ وہ قوم کی خوشے بت پرستی سے نادمہ اٹھاتا ہے اور ان کے ذوق عبودیت کی تسکین کے لئے ایک نیا بت تراش کر دے دیتا ہے۔ اور خود اس بت کدہ کا بچا رہی (مہنت) بن جاتا ہے۔ وہ اس بت تراشی میں بھی ایک پائی اپنی جیب سے خرچ نہیں کرتا۔ وہ قوم ہی کے زیوروں کو ڈھال کر انہیں ایک بت بنا کر دے دیتا ہے۔

جب تک قوم میں خوشے بت پرستی موجود ہے، کسی بت ساز کو بھی ہجرا لیوں کی کمی کی شکایت نہیں ہو سکتی۔ ہر جگہ آباد ہوگا، صرف اس فرق کے ساتھ کہ جس بت خانے کا مہنت زیادہ تھا اور چالاک ہوگا اس میں چڑھاوا زیادہ چڑھے گا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں پہلے سے اس قدر خافقا ہوں، درگا ہوں اور مقبروں کی موجودگی کے باوجود ہر نئی قبر پر کس دھوم دھام سے میلہ لگتا ہے۔ اس میلے کی رونق کا راز، اس قبر کی جاذبیت میں نہیں، بلکہ قوم کی خوشے بت پرستی میں مضمر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص قوم کے دل سے بت پرستی کے جذبات نکالنا چاہتا ہے اس کی منزل بڑی کٹھن اور اس کے راستے بڑے پتہ دار ہوتے ہیں۔ دین اور مذہب کی یہی وہ کش مکش ہے جس میں صاحبِ ضربِ کلیم کا ساتھ تو قوم کے چند افراد دیتے ہیں اور سامری کے پیچھے ساری قوم لگ جاتی ہے۔ یہی چار ہزار سال پیشتر ہوتا تھا اور یہی آج ہو رہا ہے۔ اس لئے برادرانِ من! آپ نہ تو

اپنی دعوت کے نتائج کی شکست رُوی سے گھبرائیے اور نہ ہی سامریانِ عصرِ حاضر کی کامیابی کو ان کے مسلک کی صداقت کی علامت سمجھئے۔ آپ صرف یہ دیکھئے کہ آپ کی دعوت، اس پیغام کی نقیب ہے یا نہیں جسے خدا کی کتاب پیش کرتی ہے۔ اسے قدم قدم پر جانچتے رہیے۔ اور اس کی خاص احتیاط برتیے کہ اس دعوت کی کامیابی کے لئے کوئی طریق ایسا اختیار نہ کیا جائے جو ضابطہ خداوندی کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو۔ یاد رکھئے! اس تحریک کی کامیابی کے لئے اگر آپ کا ایک قدم بھی غلط اٹھ گیا تو وہی آپ کی شکست اور ناکامی کا مقام ہوگا۔ اور اسے بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس راستے میں سب سے زیادہ گراں بہا متاعِ سفر اور محکم ترین سامانِ حفاظت، آپ کی سیرت کی بلندی اور کبریا کی پختگی ہے۔ آپ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز، آپ کی اپنی ذات کے ساتھ دیانت اور دوسروں کے ساتھ حسن معاملہ میں پوشیدہ ہے۔ اگر آپ نے اپنے اندر یہ جوہر پیدا کر لئے تو پھر آپ کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی کہ ۔

جہادِ زندگی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

دینا تقبل منا انک انت السميع العليم

(۱۰)

(جیسا کہ شروع میں لکھا گیا ہے، پرویز صاحب نے یہ خطاب طلوع اسلام کنونشن بابت ۱۹۶۳ء میں پیش کیا تھا۔ اب جو اسے دوبارہ شائع کرنے کی تجویز ہوئی تو انہوں نے اس پر اس انداز سے نظر ثانی کی ہے کہ اسے حالاتِ حاضرہ تک لے آئے ہیں۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھیے۔)

دین

اپنی مکمل، علی شکل میں عہدِ فاروقی میں قائم ہوا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد یہ مذہب میں بدل گیا۔

دین کی وہ شکل کیا تھی اور یہ مذہب میں کیسے تبدیل ہو گیا؟ اس کی تفصیل پرویز صاحب کی مابہ کتاب

شاہکار رسالت

میں ملے گی۔

قیمت مجلد - ۲۵ روپے (علاوہ محمولہ ٹاک) ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور (۲) ادارہ طلوع اسلام ۲۵/ بی گلبرگ لاہور